"الدر المنثور" کے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں وارد اسرائیلیات اور موضوعات کا تحقیقی جائزہ

Research analysis of israi'liyat and fabricated Ahadith present In Tafsir of Surah al- fatiha in "Al-ddur ul Manthur"

عزیز احمد*

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی**

ABSTRACT:

Tafsir bi-al-ma'thur is of the significant importance in Tafsir because the translator explains verses from Quran, Hadith, words of companions of the Prophet (sahaba) and successors to the Holy prophet's companions(Tabiun). Among those Tafsir one is written by Allama Sayuti titled 'Addur ul Mansor fi Tafsir bil Masoor' which is the paramount treasure of Ahadith and narrations (athar). But Allama Sayuti hasn't provided the sources of these Ahadith and narrations (athar). Although he mentions those books which have complete sources available. The reason is that the upcoming researchers have this facility to further do research work on it. That's why Allama Sayuti is not that much credible like others in collecting Ahadith. Due to this reason his collection of Ahadith is an amalgamation of credible and uncredible ahadith. Because of the aforementioned reasons in current era a common reader can't understand the credibility of any ahahdith without the sources given. Due to these reasons in this Tafsir fabricated ahadith available in atfsir of Surah e Fateha are separated and researched again. In this research the sources of those fabricated Ahadith are investigated and explained their credibility.

Key words: Addur ul Mansor, Tafsir bi-al-ma'thur, Ahadith, narrations.

تفسیر: لغوی مفہوم: تفسیر "تفعیل" کے باب سے مصدر ہے اس کا اصلی مادہ" فسر "ہے جس کے لغوی معانی "ظاہر کرنے اور کھول کر واضح کر دینا" ہیں جیسا کہ "القاموس المحیط" میں ہے: "الفسر: الإبانَةُ وكشف المغطى"[1]۔ "واضح کرنا اور بے حجاب کرنا"۔ اور مشہور امامِ لغت مرتضی زبیدی لکھتے ہیں: "التفسیر كشف المراد عَن اللَّفْظ المشكل"[2]۔ "مشکل لفظ کی مراد واضح کرنا"۔ ذکر کردہ کتبِ لغات سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کا لغوی معانی "معنی و مراد کو ظاہر و آشکارہ کرنا" کے لئے آتے ہیں۔

اصطلاحی مفہوم: تفسیر کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں:

"التفسير علم يعرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيه محمد صلاة الله عليه وسلامه وبيان معانيه واستخراج احكامه و حكمه"۔[3]

ترجمہ: تفسیر ایسا علم ہے جس کے ذریعے محمد ﷺ پر نازل شدہ کتاب کا مفہوم، اس کے مراد کے بیان، احکامات اور حکم کے

*Research Scholar, Federal Urdu University, Abdul Haq Campus, Karachi.
Email: azizroomi92@gmail.com

**Associate Professor/Chairman, Federal Urdu University, Abdul Haq Campus, Karachi.

حصول کی معرفت ہوتی ہے۔

محمد حسین ذھبی رقمطراز ہیں کہ: "ان علم التفسیر علم یبحث عن مراداللہ تعالی بقدرالطاقۃ البشریۃ"[4] "تفسیر وہ علم ہے جو بشری طاقت وقدرت کے مطابق اللہ کی مراد سے بحث کرتا ہے"۔یعنی انسان اپنی طاقت وبساط کے مطابق قرآن کا مفہوم سمجھنے کی جو کوشش اور سعی کرتا ہے اس کو علمِ تفسیر کہتے ہیں۔محمد حسین ذہبی نے اس تعریف کو تمام تعریفاتِ منقولہ کا مشترکہ مفہوم قرار دیا ہے۔

الدر المنثور: یہ علامہ "ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین ابی بکر اسیوطی شافعی" کی تفسیر ہے،اس کا پورا نام" الدر المنثور فی التفسیر بالماثور"ہے یہ تفسیرِ صرف روایات پر مشتمل ہے ،اور تفسیر "ترجمان القرآن" کا اختصار ہے، ترجمان القرآن "میں انہوں نے تمام روایات کو اسناد کے ساتھ ذکر کیا تھا، پھر اختصار کی غرض سے ان کی اسانید حذف کر کے صرف متون بحوالہِ کتاب ذکر کیے،اس کا نام "الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" رکھ دیا جس کا ذکر وہ خود اپنی کتاب کے مقدمے میں فرماتے ہیں[5]،لیکن ان متون میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا جو احادیث ملیں ،بغیر تحقیق کے رطب و یابس جمع کر دیں،صاحب "مناہج المفسرین" لکھتے ہیں:"ھوفی جمعہ ھذا لم یلتزم صحۃ الاحادیث والنقل[6]۔"انہوں نے اپنے اس مجموعے میں احادیث اور روایت کی صحت کا التزام نہیں کیا"۔البتہ علامہ سیوطی نے اس کتاب میں اپنی رائے کو بالکل جگہ نہیں دی ہے۔کوئی ایک جملہ یا کلمہ تشریح بھی اپنی طرف سے درج نہیں کیا اوراس بات کا پوراا ہتمام کیا کہ یہ کتاب احادیث و آثار کا مجموعہ ہو،جیسا کہ منیع بن عبد الحلیم لکھتے ہیں:

والدر المنثور ھو اجمع کتاب للتفسیربالمأثور،لم یبد فیہ الامام السیوطی رأیا،ولم یقل فیہ کلمۃ مفسرۃ او جملۃ شارحۃ، و انما التزام التزام کاملا ان یکون تفسیرہ جمعا الاحادیث رسول اللہ ﷺفی الایۃ وسردا لبعض اقوال الصحابۃ رضوان اللہ علیہ اجمعین[7].

ترجمہ: اور در منثور نقلی تفسیر مین سب سے جامع تفسیر ہے،امام سیوطی نے اس میں کوئی رائے نہیں دی،اس میں کوئی ایک تفسیری کلمہ یا تشریحی جملہ نہیں کہا اور اس بات کا بھرپور التزام کیا کہ آیت میں ان کی یہ تفسیر حضورﷺ کی احادیث کا مجموعہ ہو اور صحابہ کرام کے بعض اقوال پر ایک نظر ہو۔

مفسر جلال الدین سیوطی:

آپ کا لقب جلال الدین،کنیت ابو الفضل، عرف ابن کتب اور نام عبد الرحمٰن ہے۔سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے "عبد الرحمان بن کمال الدِین ابی بکر بن محمّد بن سابِق الدِین بن فخر الدین بن عثمان بن ناظر بن محمد بن سیف الدین بن فخر الدِین ابی صلاح ایوب بن ناصر الدین محمد بن ہمام الاسیوطی الشافعی"۔[8] آپ کی ولادت 13 اکتوبر1445ء بمطابق یکم رجب849ھ میں اسیوط کے مقام پر ہوئی۔[9]سیوطی "اُسیوط" کی طرف منسوب ہے۔یہ "صعید مصر"کے نواح میں دریائے نیل کے مغربی کنارہ پر واقع ایک شہر ہے۔اس شہر کا نام "سیوط"یعنی ہمزہ کے بغیر بھی لکھا جاتا ہے جیسا کہ القاموس المحیط میں ہے:سُیوطُ أو أُسیوطُ بضَمّھما: بلدۃ بصَعیدِمِصْرَ[10]۔ اپنے بارے میں خود "حسن المحاضرۃ"میں فرماتے ہیں کہ: حق تعالیٰ نے مجھے سات علوم یعنی تفسیر،حدیث،فقہ،نحو،معانی بیان اور بدیع میں تبحر عطا فرمایا ہے چنانچہ فرماتے

ہیں: رزقت التبحر فی سبعۃ علوم: "التفسیر والحدیث والفقہ والنحو والمعانی والبیان والبدیع"۔[11]

اسرائیلیات :لغۃ: "اسرائیلیات "جمع ہے "اسرائیلیۃ" کی، وہ قصہ یا واقعہ جو کسی اسرائیلی ماخذ سے منقول ہو[12]، اور "اسرائیلیۃ "ماخوذ ہے "اسرائیل" سے، اور اسرائیل عبرانی کلمہ ہے جو کہ "اسری اور ایل" مرکب ہے۔ "اسری" کے معنیٰ "بندہ یا خالص" کے ہیں اور ایل کے معنیٰ اللہ کے ہیں تو مکمل لفظ "اسرائیل" کا معنیٰ "اللہ کا بندہ یا اللہ کا خالص مخلوق" ہو گیا۔[13] اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، جو اصلا یہود کے ہی جد اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں، لیکن وہ نصاریٰ کے بھی جد اعلیٰ ہیں۔ لیکن یہودی، اسرائیلی نام سے مشہور ہیں، ان کو عبری بھی کہا جاتا ہے، اللہ نے قرآن میں کئی پر جگہ یہودیوں کو اسرائیل کی طرف منسوب کر کے اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا ہے جیسا کے فرماتے ہیں:

یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین[14]۔

اصطلاحا: متقدمیں کے ہاں یہ اصطلاح عام نہیں تھی اس لیے وہ اس اصطلاح کے متعلق خاموش ہیں البتہ متاخرین محققیں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں[15]۔ لفظ "اسرائیلیۃ" کے ظاہر سے اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ واقعات اور روایات ہیں جو یہودیوں سے ہم تک پہنچی ہیں، لیکن اس کا مطلب اس سے کہیں زیادہ وسیع اور عام ہے کیونکہ اس سے مراد وہ تمام واقعات اور روایات جو کہ یہود و نصاریٰ سے مروی ہوں یا ان کی کتابوں سے ماخوذ ہوں، لیکن تغلیبا ان کو اسرائیلیات کہا جاتا ہے کیونکہ یہود کا مسلمانوں کے ساتھ کثرتِ اختلاط کی وجہ سے ان سے منقول روایات بنسبت نصاریٰ کے زیادہ ہیں، چنانچہ ذہبی لکھتے ہیں:

لفظ الاسرائیلیات وان کا یدل بظاھرہ علی اللون الیودی للتفسیر وماکان للثقافۃ الیھودیۃ من اثر ظاھر فیہ الا انا ترید بہ ما ھو اوسع من ذالک واشمل، فنرید بہ ما یعم اللون الیھودی واللون النصرانی للتفسیر و ماتاثر بہ التفسیر من الثقافتین الیھودیۃ والنصرانیۃ وانما اطبقنا علی جمیع ذالک لفظ "الاسرائییات" من باب التغلیب للجانب الیھودي علی النصرانی فان الجانب الیھودی ھو الذی اشتھر امرہ فکثر النقل عنہ وذالک لکثرۃ اھلہ وظھور امرھم وشدۃ اختلاطھم بالمسلمین.[16]

ترجمہ: اسرائیلیات کا لفظ اگرچہ ظاہری طور تفسیر کے یہودی رنگ اور انکی تہذیب کے ظاہری اثر پر دلالت کرتا ہے، مگر ہم اس سے اور بھی زیادہ وسیع اور عام معنیٰ مراد لیتے ہیں، ہماری اس سے مراد تفسیر کی یہودی ور عیسائی دونوں نوع اور ان دونوں کی تہذیب و ثقافت سے متاثرہ تفسیر ہے اور ہم نے سب پر "اسرائیلیات" کا اطلاق جہت یہود کو جہت نصاریٰ پر غالب قرار دیتے ہوئے کیا ہے، کیونکہ یہودی مشہور ہیں اور ان سے نقل زیادہ ہوا ہے، اس کی وجہ ان کی کثرت، غلبہ اور مسلمانوں کے ساتھ شدتِ اختلاط ہے۔

تقریبا یہی تعریف مفتی محمد تقی عثمانی نے اپنی کتاب "علوم القرآن" میں نقل کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "اسرائیلیات یا اسرائیلی روایات ان روایات کو کہتے ہیں جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے بعض براہِ راست بائبل یا تالمود سے لی گئی ہیں بعض منشاء اوران کی شروح سے اور بعض وہ زبانی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سینہ بسینہ نقل ہوتی چلی آئی ہیں اور عرب کے یہود و نصاریٰ میں معروف و مشہور تھیں"[17]۔ کبھی موضوع روایات کو بھی اسرائیلیات میں شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر خلیل اسماعیل رقمطراز ہیں: "اسرائیلیات کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ یہودیوں یا عیسائیوں سے ماخوذ ہوں بلکہ ممکن ہے کہ ان میں عرب ہی کے کچھ لوگوں کی موضوع روایات شامل

ہوں[18]۔ محمد حسین ذہبی اس سے بہت وسیع معنی مراد لیتے ہیں، وہ یہ کہ تفسیر میں ہر دخیل کو اسرائیلیات کہا جائے گا چاہیے وہ جھوٹ ہو یا تحریف ہو یا مبالغہ ہو اگرچہ وہ اسرائیلی طریق سے نہ آیا ہو یعنی ان کی کتب اور اسفار میں وہ قصہ موجود نہ ہو، بلکہ عربی اور غیر اسرائیلی ہو، اور کبھی ان احادیث کو بھی جو معتبر کتب حدیث میں نہ آئی ہوں تغلیباً اسرائیلیات کہا جاتا ہے[19]۔

موضوعات: "موضوعات" جمع ہے موضوع کا، اور موضوع باب "وضع یضع" سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے کئی معانی آتے ہیں، ان میں سے ایک معنی" گرادینا اور ساقط کرنے" کے ہیں جیسا کہ فیروز آبادی "وضعہ" کے بارے میں لکھتے ہیں: "حطہ"[20] "اس کو گرادیا"۔ مرتضی زبیدی لکھتے ہیں: "وضع عنه} وضعا: حط من قدره"[21]. "اس کے مرتبے سے گرادیا" اور محمود طحان رقمطراز ہیں: لغة: هو اسم مفعول، من "وضع الشيء" أي "حطه" سمي بذلك لانحطاط رتبته[22]. لغت میں یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے "وضع الشئ" سے یعنی اس کو گرا دیا، اس حدیث کو یہ نام اس کے مرتبہ گرنے کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

اصطلاحا: وہ من گھڑت اور جھوٹی روایت جو حضور ﷺ کی طرف منسوب ہو جیسا کہ محمود طحان لکھتے ہیں: هو الكذب المختلق المصنوع المنسوب الى رسول الله ﷺ[23] "وہ من گھڑت اور بنایا ہو جھوٹ جو حضرت محمد ﷺ کی طرف منسوب ہو"۔ اور علامہ نووی لکھتے ہیں: اما الحديث الموضوع فهو المختلق المصنوع[24]۔ "حدیث موضوع وہ حدیث ہے جو من گھڑت اور جھوٹی ہو"۔ ہمارے اس مقالے میں موضوعات اسرائیلیات کا ایک جزء ہے، اس وجہ سے اس کی جزوی تفسیر بھی کہہ سکتے ہیں۔

سورۃ فاتحہ میں وارد اسرائیلی و موضوع روایات:

علامہ کی تفسیر تو روایات سے بھری ہوئی ہے، ان میں ہر قسم کی روایات شامل ہیں، جن میں صحیح، ضعیف، اور موضوع اسرائیلی روایات شامل ہیں۔ میرے مطالع میں اس وقت دار لفکر بیروت سے چھپی ہوئی تفسیرِ سیوطی کا نسخہ ہے جو 8 جلدوں پر مشتمل ہے، جس کی ایک سورۃ کا علمی جائزہ پیش خدمت ہے۔ سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں علامہ نے کئی روایات نقل کی ہیں، ان میں سے کچھ اسرائیلیات اور موضوعات بھی ہیں جو کہ درجہ ذیل ہیں:

1۔ پہلی روایت: عن ابن عباس يرفعه الى النبي ﷺ: فاتحة الكتاب تعدل بثلثي القرآن[25].

ترجمہ: سورۃ فاتحہ (ثواب میں) قرآن کے دو تہائی کے برابر ہے۔

تحقیق روایت:

اس روایت کو علامہ نے سورۃ فاتحہ کے فضائل میں نقل کیا ہے، مصنف کا ذکر کردہ مصدر عبد بن حمید نے اپنی کتاب "المنتخب من مسند" میں اس کی سند کو اس طرح بیاں کیا ہے: "عن زائدة عن ابان عن شهر عن ابن عباس[26]۔ علامہ البانی نے اس روایتِ مذکورہ کو اسی سند کے ساتھ اپنی کتاب "سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة" میں ذکر کرکے اس کو رد کیا ہے، چنانچہ وہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: "ضعيف جدا. أخرجه عبد بن حميد في "المنتخب من المسند" من طريق زائدة عن أبان عن شهر عن ابن عباس رفعه إلى النبي ﷺ. قلت: وهذا إسناد ضعيف جدا[27].

ترجمہ:"(یہ حدیث) بہت زیادہ کمزور ہے، جس کو عبد بن حمید نے "منتخب من مسند" میں بطریق" زائدة عن ابان عن شهر عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم سے روایت کی ہے، میں نے کہا: یہ بہت کمزور سند ہے"۔

اس کی وجہ بطلان اس حدیث میں موجود راوی "ابان" ہے، اس کو البانی نے متروک اور متہم کہا ہے جیسا کہ لکھتے ہیں: "آفته ابان هذا، وهو ابن ابي عياش البصرى وهو متروك متهم[28]." اس حدیث کی مصیبت یہ ابان ہے، وہ ابو عیاش بصری کا بیٹا ہے اور وہ متروک اور متہم ہے"۔ علامہ شمس الدین ذہبی امام شعبہ کا یہ تبصرہ اسی کے بارے میں نقل کیا ہے:

لان أشرب من بول حمار حتى أروى أحب إلى من أن أقول: حدثنا أبان بن أبي عياش. وروى ابن إدريس وغيره عن شعبة قال: لان يزني الرجل خير من أن يروى عن أبان.قال أحمد: هو متروك الحديث، وقال يحيى بن معين: متروك[29].

ترجمہ: ابان بن ابی عیاش کی روایت لینے سے گدھے کا پیشاب پی کر سیراب ہونا مجھے زیادہ پسند ہے اور ابن ادریس وغیرہ نے شعبہ سے نقل کیا ہے کہ ابان ابن ابی عیاش سے روایت لینے سے آدمی کا زنا کرنا بہتر ہے۔ امام احمد نے اس کو متروک الحدیث کہا ہے، اور یحیی ابن معین نے بھی متروک کہا ہے۔

حفاظِ حدیث کی آراء کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع یا انتہائی ضعیف ہے، اور ایسی روایت ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے مطابق اسرائیلیات مین شمار ہوتی ہے۔

2۔دوسری روایت: اس روایت کو سیوطی نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کی تفسیر میں ذکر کیا ہے وہ روایت یہ ہے:

"أخرج ابن جرير وابن عدى فى الكامل وابن مردوية وابو نعيم فى الحلية وابن عساكر فى تاريخ دمشق والثعلبى بسند ضعيف جدا عن ابي سعيد الخدرى قال قال رسول الله عليه الصلاة والسلام: ان عيسى بن مريم اسلمته امه الى الكتاب ليعلمه فقال له المعلم اكتب "بسم الله الرحمان الرحيم" قال له عياس وما باسم الله قال المعلم لا ادرى فقال له عيسى: الباء بهاءالله والسين سناؤه والميم مملكته و"الله" اله الآلهة و"الرحمن" رحمن الدنيا و الآخرة و"الرحيم" رحيم الآخرة"[30].

ترجمہ: ابن جریر نے، ابن عدی نے کامل میں، ابن مردویہ نے، ابو نعیم نے حلیۃ میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اور ثعلبی نے بہت ہی کمزور سند کے ساتھ ابو سعید خدری سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ فرمایا: "عیسی بن مریم کو ان کی ماں کاتب کے پاس لے کر گئی تاکہ وہ اس کو سکھائے۔ استاذ نے عیسیٰؑ سے کہا: لکھو "بسم الله الرحمن الرحيم "عیسیٰؑ نے اس سے کہا کہ "بسم اللہ" کیا چیز ہے؟ استاذ نے کہا: میں نہیں جانتا، اس پر عیسیٰؑ نے فرمایا: "ب" سے مراد بہاء اللہ (اللہ کا رونق) ہے، "سین" سے مراد سناء اللہ (اللہ کا نور) اور "میم" سے اللہ کی مملکت ہے، اور "اللہ" سے مراد اله الالهة (معبودوں کا معبود) ہے، "رحمن" سے مراد دنیا اور آخرت دونوں میں رحم کرنے والا اور "رحیم" سے مراد آخرت میں رحم کرنے والا ہے"۔

تحقیق روایت:

اس حدیث کی سند کو سیوطی کے اکثر مصادر مذکورہ کے مصنفیں نے بطریق "اسماعيل بن عياش عن اسماعيل بن يحيى التيمى

عن ابن ابي مليكة وعمن حدثه عن عبد الله بن مسعود و مسعربن كدام وعن عطية العوفي عن ابي سعيد الخدري" بیان کیا ہے[31] اسماعیل بن یحیٰی کے علاوہ کسی سے یہ روایت منقول نہیں۔ حفاظِ حدیث کے ہاں یہ حدیث باطل اور موضوع ہے، ابن عراق اس روایت کو اپنی شہرہ آفاق کتاب "تنزيه الشريعة المرفوعة عن الاخبار الموضوعة" میں نقل کر کے اس پر اس طرح نقد کرتے ہیں: "فيه إسماعيل بن يحيى التيمي والبلاء منه، ولا يضع مثل هذا إلا ملحد أو جاهل[32]۔" اس سند میں اسماعیل بن یحیٰی تیمی ہے اور مصیبت اس کی طرف سے آئی ہے اس جیسی روایت صرف ملحد اور جاہل ہی گھڑ سکتا ہے"۔ اور ابن جوزی رقمطراز ہیں: هذا حديث موضوع محال..... قلت وأما إسماعيل بن يحيى فإني أرى البلاء منه[33].

ترجمہ: یہ یقینی طور پر موضوع حدیث ہے۔۔۔ اور میں تو مصیبت اسماعیل بن یحیٰی کی جانب سے آئی ہوئی سمجھتا ہوں۔

اس حدیث کی وجہ بطلان یہ ہے کہ اس کی سند میں موجود راوی "اسماعیل بن یحیٰی التیمی" ہے، جس کے وضع کی تصریح ابن جوزی اور ابن عراق نے کر دی ہے، اس کے بارے میں حافظ دار قطنی نے "متروك كذاب" کہا ہے[34] ابن حبان لکھتے ہیں:

كان ممّن يروي الموضوعات عن الثِّقات[35] "وہ ثقہ راویوں کی طرف منسوب کر کے من گھڑت احادیث روایت کرتا ہے"۔ اور علامہ شمس الدین ذہبی اس پر ان لفاظ میں مہر لگاتے ہیں: "مجمع على تركه"[36]۔ "اس کی روایات کو ترک کرنے پر (محدثین اور حفاظ کا) اجماع ہے"۔ الغرض اسماعیل بن یحیٰی کی وجہ سے ابن جوزی اور ابن عراق نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

3۔ تیسری روایت: اس روایت کو سیوطی "الرحمن" کی تفسیر میں اس طرح ذکر کرتے ہیں:

أخرج البزار والحاكم والبيهقي في الدلائل بسند ضعيف عن عائشة قالت: قال لي ابي: الا اعلمك دعاء علمنيه رسول الله عليه الصلاة والسلام قال وكان عيسى يعلمه للحواريين، لوكان عليك مثل احد ذهبا لقضاه الله عنك قلت بلى قال قولي: اللهم فارج الهم كاشف الغم لفظ البزار وكاشف الكرب مجيب دعوة المضطرين رحمان الدنيا والآخرة ورحيمهاانت ترحمني رحمة تغني بها عمن سواك[37]۔

ترجمہ: امام بزار، حاکم، اور بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میرے ابو نے مجھ سے فرمایا کہ کیا میں تجھے وہ دعا نہ سکھاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سکھائی ہے، اور فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام وہ حواریوں کو سکھاتے تھے، اگر تجھ پر احد کے برابر قرض ہو گا تو اللہ وہ ادا کرا دے گا، میں نے کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا یہ دعا پڑھ لیں "اللهم فارج الهم كاشف الغم"- اور امام بزار کے الفاظ "كاشف الكرب" ہے۔ مجيب دعوة المضطرين رحمان الدنيا والآخرة ورحيمهاانت ترحمني رحمة تغني بها عمن سواك۔

تحقیقِ روایت:

اس روایت کی سند کو سیوطی کے ذکر کردہ تینوں مصادر امام بزار، حاکم اور بیہقی نے بطریق "يونس بن يزيد الأيلي عن الحكم بن عبد الله بن سعيد الأيلي عن القاسم بن محمدبن ابي بكر الصديق عن عائشة رضي الله عنها" بیان کیا ہے[38]۔ حفاظ کے ہاں یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اسی وجہ سے ابن عراق نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے[39]۔ اس روایت کی بطلان کی وجہ اس میں موجود

"الحکم بن عبد اللہ التیمی "ہے،اس راوی کے بارے میں مشہور نقاد انِ حدیث امام ابن حجر عسقلانی اور شمس الدین ذہبی نے حفاظِ حدیث کے مندرجہ ذیل نقد و تبصرے نقل کیے ہیں:

"کان ابن المبارك شديد الحمل عليه وقال احمد احاديثه كلها موضوعة وقال ابن معين ليس بثقة وقال السعدی وابو حاتم كذاب وقال النسائي والدارقطني وجماعة: متروك الحديث"[40]۔

ترجمہ: امام ابن المبارک اس پر سخت حملہ کرتے تھے ،امام احمد نے فرمایا:اس کی تمام احادیث موضوع ہیں، ابن معین نے فرمایاوہ ثقہ نہیں ہے، سعدی اور ابوحاتم نے(اسے) "کذاب "فرمایاہے اور نسائی،دار قطنی اور دوسرے حضرات نے "متروک" کہاہے۔

4.چوتھی روایت: أخرج أبونعيم في تاريخ أصبهان وابن اشتة في المصاحف بسند ضعيف عن انس قال: قال رسول الله عليه الصلاة والسلام: من كتب{ بسم الله الرحمان الرحيم} مجودة تعظيما لله غفر الله له[41] .

ترجمہ: ابو نعیم نے تاریخ اصفہان میں اور ابن اشتہ نے مصاحف میں کمزور سند کے ساتھ انس سے روایت کیاہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:"جس نے اللہ کی تعظیم کیلئے "بسم الله الرحمان الرحيم "کو عمدہ طریقے سے لکھااس کی مغفرت کی جائے گی"۔

تحقیق روایت:

اس روایت کی سند کو اصفہانی نے تاریخ اصبہان میں اس طرح ذکر کیاہے:عن العلاء بن مسلمة ثنا ابو حفص العبدی عن ابان بن ابي عياش عن انس بن مالك[42]۔البانی نے اس حدیث کو ذکر کرکے اسے موضوع کہاہے[43]۔ابن جوزی نے بھی اس کو موضوعات میں ذکر کیاہے[44]۔اس روایت کی بطلان کی وجہ اس کی سند میں موجود تین راوی" علاء بن مسلمة، أبو حفص العبدي اورأبان" ہیں۔علاء بن مسلمۃ کے بارے میں ذہبی لکھتے ہیں:قال ابن طاهر: كان يضع الحديث.وقال ابن حبان: يروى الموضوعات عن الثقات[45]" ابن طاہر نے کہا کہ وہ حدیث بناتا ہے اور ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقہ راویوں کی طرف منسوب کرکے موضوع روایات نقل کرتا ہے"۔ابن جوزی بھی بقولِ ابن حبان اس سے روایت لینے کو حلال قرار نہیں دیتے ہیں[46]۔

ابو حفص کے بارے میں ذہبی رقمطراز ہے:"قال أحمد: تركنا حديثه وخرقناه.وقال على: ليس بثقة.وقال انسائی متروك.وقال الدار القطني: ضعيف[47]."احمد نے کہا: ہم اس کی احادیث کو ترک کیا اور ان کو پھاڑا، علی نے اس کو غیر ثقہ قرار دیاہے ،نسائی نے اسے متروک کہاہے اور دار قطنی نے اس کو ضعیف قرار دیاہے"۔ابن جوزی نے بھی اسے ضعیف کہاہے۔[48]

ابان کے بارے میں حفاظِ حدیث کی رائے اسی سورت کی پہلی روایت میں تفصیلا آچکاہے،اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی روایت کو نقل کرنادرست نہیں۔اسی وجہ سے ابن جوزی نے نے بھی اس کو بہت کمزور قرار دیاہے،چنانچہ فرماتے ہیں:"فأبان ضعيف جدا[49]

الغرض اس حدیث کی اس سند کو لے کر ابن جوزی اور البانی نے اس کو موضوعات میں شمار کیاہے،لیکن ابن عراق نے اس روایت کے متن کاایک قوی شاہد ذکر کیاہے جو حضرت علی سے موقوفا مروی ہے،لیکن خلافِ عقل ہونے کی وجہ سے مرفوع کاحکم رکھتی ہے،اس وجہ سے اس متن کو مکمل طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔چنانچہ لکھتے ہیں:"ولها شاهد قوى عند البيهقي في الشعب على على موقوفا بلفظ:

"تنوق رجل في بسم الله الرحمان الرحيم فغفر له، وله حكم الرفع[50]" اور بیہقی کے شعب الایمان میں علی موقوفا اس کا ایک قوی شاہد ان الفاظ "تنوق رجل في بسم الله الرحمان الرحيم فغفرله" کے ساتھ موجود ہے، جو مرفوع کے حکم میں ہے۔ ایک شخص نے "بسم الله الرحمان الرحيم" کو عمدہ کیا تو اس کی بخشش ہوئی۔

5. پانچویں روایت: اس روایت کو "رب العلمين" کی تفسیر میں علامہ نے ذیل مصادر کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا ہے:

أخرج الحكيم الترمذی فی نوادر الاصول وابو يعلى فی مسنده وابن عدی فی الكامل وابو شيخ فی العظمة والبيهقی فی شعب الايمان والخطيب فی التاريخ بسند ضعيف عن جابر بن عبد الله قال: قل الجراد فی سنة من سنی عمر التی ولی فيها فسال عنه فلم يخبر بشئ فاغتم لذالك فارسل راكبا يضرب الی كداء وآخر الی الشام وآخر الی العراق يسال هل رؤی من الجراد شئ اولا۔ فاتاه الراكب الذی من قبل اليمن بقبضة من جراد فالقاها بين يديها فلما رآها كبر ثم قال سمعت رسول الله عليه الصلاة والسلام يقول خلق الله الف مآئة: ستمآئة فی البحر واربعمآئة فی البرفاول شئ يهلك من هذه الامم الجرادفاذا اهلكت تتابعت مثل النظام اذا قطع سلكه[51]۔

ترجمہ: حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں، ابو یعلی نے مسند میں، ابن عدی نے کامل میں، ابو الشیخ نے عظمۃ میں، بیھقی نے شعب الایمان میں اور خطیب نے تاریخ میں ضعیف سند کے ساتھ جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ کے خلافت کے سالوں میں ایک سال میں ٹڈی کم ہوگئی، حضرت عمر نے ان کے متعلق پوچھا تو انہیں کوئی خبر نہیں ملی، آپ اس کی وجہ سے غمگین ہوئے، آپ نے ایک گھوڑا سوار کداء کی جانب بھیجا، ایک شام کی جانب اور ایک شہر عراق کی طرف تاکہ وہ پوچھے کہ کیا کوئی ٹڈی نظر آئی یا نہیں؟ یمن کی طرف گیا ہو شہسوار ٹڈیوں کی ایک مٹھی لایا اور ان کو حضرت عمر کے سامنے ڈال دیا جب آپ نے ان کو دیکھا تو تکبیر پڑھی پھر فرمایا: میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے ایک ہزار امتیں پیدا فرمائی ہے، 600 سمندر میں ہیں اور چار سو خشکی میں ہیں اور ان امتوں میں جو چیز سب سے پہلے ہلاک ہوگی وہ ٹڈی ہے، جب وہ (ٹڈی کی امت) ہلاک ہوگی تو مسلسل (ہلاکت) چل پڑے گی جیسا کہ لڑی کا دھاگہ جب ٹوٹ جائے۔

تحقیق روایت:

اس روایت کی سند سیوطی کے مصادرِ مذکورہ میں اس طریق سے موجود ہے "محمد بن عيسى الهذلی عن محمد بن المنكدر عن جابر"[52]۔ اس روایت کو علماء نے موضوعات میں شمار کیا ہے، جیسا کی ابن جوزی نے "الموضوعات" میں اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

قال أبو حاتم بن حبان: هذا شئ لا يشك فيه أنه موضوع، ليس هذا من كلام رسول الله عليه الصلاة والسلام ومحمد بن عيسى يروی عن ابن المنكدر العجائب وعن الثقاة الأوابد[53]۔

ترجمہ: ابو حاتم بن حبان نے فرمایا: یہ ایسی چیز ہے کہ اس کے موضوع ہونے مین کوئی شک نہیں ہے، یہ حضور ﷺ کی کلام نہیں ہے، اور محمد بن عیسی ابن منکدر سے عجیب چیزیں اور ثقہ راویوں سے وحشی اور اجنبی روایات نقل کرتا ہے۔

ابن عراق نے بھی اس کو اخبارِ موضوعہ میں نقل کر کے اس طرح نقد کیا ہے: وفيه محمد بن عيسى بن كيسان الهذلي روى عن

ابن المنكدر العجائب[54]۔" اور اس میں محمد بن عیسی بن کیسان ہذلی ہے جو ابن منکدر سے عجیب و غریب قصے روایت کیے ہیں اور شمس الدین ذہبی بھی اس روایت کو اپنی کتاب" تلخیص کتاب الموضوعات" میں نقل کرنے کے بعد ابن حبان کی ذکر کردہ بالا تنقید ہی کی تصویب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قال ابن حبان: موضوع"[55]۔ "ابن حبان نے (اس روایت کو) موضوع فرمایا"۔ اس کی بطلان کی وجہ اس سند میں موجود راوی "محمد بن عيسى هذلى" ہے جس کی تصریح ابن جوزی اور ابن عراق نے کر دی ہے، اس راوی کے بارے میں اسمائے رجال کے معتمد ترین نقاد ابن حجر عسقلانی اور شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:

قال البخاري والفلاس: منكر الحديث. وقال ابوزرعة لاينبغي ان يحدث عنه, وقال ابن حبان: يأتي عن ابن المنكدر بعجائب. وقال الدارقطني : ضعيف، ووثقه بعضهم[56]

ترجمہ: بخاری اور فلاس نے "منکر الحدیث" فرمایا، ابو زرعۃ نے فرمایا: اس سے حدیث بیان نہیں کرنا چاہیے، ابن حبان نے فرمایا: ابن منکدر سے عجیب و غریب قصے لاتا ہے اور دار قطنی نے (اس کو) ضعیف فرمایا ہے اور بعض نے اس کی توثیق کی ہے۔

الغرض یہ حدیث اس راوی کی وجہ سے باطل اور موضوع ہے کیونکہ بخاری، ابوزرعۃ، ابن حبان اور دار قطنی جیسے حفاظ اس راوی کو "کذاب اور ضعیف" قرار دیا ہے، ان کے مقابلے میں دوسرے بعض کی رائے کو ترجیح نہیں دی جائے گی جن کا نام ابن حجر اور ذہبی نے لیا بھی نہیں ہے۔

خلاصہ:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علامہ سیوطی کی تفسیر" الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" میں احادیث و آثار کی اسناد مذکور نہیں، البتہ صرف ان مصادر اور مآخذ کا ذکر کرتے ہی جن میں ان کی پوری سند موجود ہے اور اسی طرح وہ حدیث کے باب میں نہایت متساہل ہے اسی وجہ سے ان کی اس ماثور تفسیر میں رطب و یابس جمع ہو گئی ہیں، ایک قاری کے لیے ایسی تفسیر سے حدیث کا متن بغیر سند کے پڑھ کر اس کی صحت اور ضعف یا موضوع ہونے کا سمجھنا مشکل تھا اس لیے اس تفسیر کی سورہ فاتحہ میں موجود اسرائیلیات اور موضوعات کو الگ کر کے ان کی تحقیق کر دی گئی ہے اور اس تحقیق میں ان کی اسناد کی تخریج کر کے ان کی وجہ بطلان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

حوالہ جات

[1] الفيروزآبادى مجد الدين أبو طاهر محمد بن يعقوب، القاموس المحيط, مؤسسة الرسالة للطباعة ، بيروت، 2005م، ص456

[2] مرتضى الزَّبيدي محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني ،أبو الفيض، تاج العروس, دار الهداية، ج13، ص323

[3] الزركشي أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر, البرهان في علوم القرآن, دار إحياء الكتب العربية, بيروت، 1957م، ج1، ص13

[4] الدكتور محمد السيد حسين الذهبي, التفسير والمفسرون, مكتبة وهبة، القاهرة، ج1، ص14

[5] السيوطي جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، الدر المنثور، دار الفكر، بيروت، 1993ء۔ ج1، ص1

[6] منيع بن عبد الحليم محمود، مناهج المفسرين، دار الكتاب المصرى القاهرة، 2000ء، ص251

[7] ايضا، ص 251

[8] چشتی ڈاکٹر محمد عبد الحلیم، تذکرۃ علامہ جلال الدین سیوطی، الرحیم اکیڈمی، کراچی، 1421ھ، ص16۔ السیوطي جلال الدین، حسن المحاضرۃ في تاریخ مصر والقاھرۃ ، دار إحیاء الکتب العربیۃ، مصر، 1967ء، ج1، ص335

[9] طاھرسلیمان حمودۃ، جلال الدین السیوطي عصرہ وحیاتہ وآثارہ وجھودہ في الدرس اللغوي، المکتب الاسلامی، بیروت، 1989ء، ج1، ص91

[10] القاموس المحیط ، ج1، ص868

[11] حسن المحاضرۃ في تاریخ مصر والقاھرۃ ، ج1، ص338

[12] الذھبی محمد حسین ، الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث ، مطبعۃ الازھر ، مصر، 1968ء، ص19

[13] محمد فرید وجدی، دائرۃ معارف القرن العشرین، دارالمعرفۃ، لبنان ، ج1، ص280

[14] البقرۃ2:47

[15] الدکتور رمزی نعناعہ ، الاسرائیلیات واثرھا فی کتب التفسیر، دار القلم ، دمشق، 1970ء، ص72

[16] التفسیر والمفسرون، ج1، ص121

[17] مفتی محمد تقی، علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم کراچی، ص345

[18] خلیل اسماعیل الیاس، کعب الاحبار و اثرہ فی التفسیر ، دار الکتب العلمیۃ، لبنان، 2007ء، ص108

[19] الاسرائیلیات و اثرھا فی کتب التفسیر، ص74

[20] القاموس المحیط، ص771

[21] تاج العروس، ج22، ص335

[22] أبوحفص محمودبن أحمد بن محمود طحان النعیمي، تیسیر مصطلح الحدیث، مکتبۃ المعارف للنشروالتوزیع، 2004ء، ص111

[23] ایضا

[24] النووي أبو زکریا محیي الدین یحیی بن شرف، المنھاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج دار إحیاء التراث العربي، بیروت، 1392ھ، ج1، ص56

[25] الدر المنثور في التفسیر بالمأثور، ج1، ص15

[26] أبو محمد عبد الحمید بن حمید بن نصر الكَسّي, المنتخب من مسند عبد بن حمید، مکتبۃ السنۃ, القاھر, 1988ء، ص227

[27] لألباني أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدین، بن الحاج، سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ وأثرھا السیئ في الأمۃ، دار المعارف، الریاض، 1992م ، ج12، ص388

[28] ایضا

[29] الذھبي شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن أحمد، میزان الاعتدال في نقد الرجال، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1963ء، ج1، ص10

[30] الدر المنثور في التفسیر بالمأثور، ج1، ص23

[31] أبو أحمد بن عدي الجرجاني، الکامل في ضعفاء الرجال، الکتب العلمیۃ، بیروت، 1997ء، ص493۔ ابن عساکر أبو القاسم علي بن الحسن بن ھبۃ اللہ، تاریخ دمشق دار الفکر، بیروت، 1995ء، ج47، ص373۔ تفسیر الطبري، ج1، ص21. تفسیر الثعلبي، ج1، ص93

[32] ابن عراق الکناني نور الدین، علي بن محمد بن علي بن عبد الرحمن، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت 1399ھ، ج1، ص231

[33] ابن الجوزي جمال الدین عبد الرحمن بن علي، الموضوعات، محمد عبد المحسن صاحب المکتبۃ السلفیۃ بالمدینۃ المنورۃ، 1966ء، ج1، ص204

[34] الدارقطني أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مھدي، الضعفاء والمتروکون، مجلۃ الجامعۃ الإسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ، 1403ھ، ج1، ص256

[35] محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ، المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين، دار الوعي، حلب، 1396ھ، ج1، ص126

[36] ميزان الاعتدال، ج1، ص253

[37] الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ج1، ص24

[38] البزار أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، 2009ء، ج1، ص131۔ ابن البيع أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن النيسابوري، المستدرك على الصحيحين، دار الكتب العلمية، بيروت، 1990ء، ج1، ص696۔ البيهقي أحمد بن الحسين بن علي بن موسى، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، أبو بكر دار الكتب العلمية، بيروت، 1405ھ، ج6، ص171

[39] تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، ج2، ص334

[40] العسقلاني ابن حجر، أبو الفضل أحمد بن علي، لسان الميزان، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت، 1971ء، ج2، ص332 ميزان الاعتدال، ج1، ص572

[41] الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ج1، ص27

[42] الأصبهاني أبو نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد، تاريخ أصبهان، دار الكتب العلمية، بيروت، 1990ء، ج2، ص285

[43] سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة، ج1، ص438

[44] ابن الجوزي جمال الدين عبد الرحمن بن علي، الموضوعات، محمد عبد المحسن صاحب المكتبة السلفية بالمدينة المنورة، 1966ء، ج1، ص227

[45] ميزان الاعتدال، ج3، ص105

[46] الموضوعات لابن الجوزي، ج1، ص227

[47] ميزان الاعتدال، ج3، ص189

[48] الموضوعات لابن الجوزي، ج1، ص227

[49] ايضا

[50] تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، ج1، ص260

[51] الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ج1، ص34

[52] الكامل في ضعفاء الرجال، ج7، ص57 ۔أبو الشيخ الأصبهاني أبو محمد عبد الله بن محمد بن جعفر، العظمة، دار العاصمة، الرياض، 1408 ھ، ج5، ص1783 ۔ أبو بكر البيهقي أحمد بن الحسين بن علي بن موسى، شعب الإيمان, مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض، 2003ء، ج12، ص412۔ الخطيب البغدادي أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت، تاريخ بغداد، دار الغرب الإسلامي، بيروت، 2002ء، ج13، ص61

[53] الموضوعات، ج3، ص14

[54] تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، ج1، ص190

[55] شمس الدين الذهبي أبوعبدالله محمد بن أحمد بن عثمان، تلخيص كتاب الموضوعات، مكتبة الرشد، الرياض، 1998ء، ص252

[56] لسان الميزان، ج5، ص332 ۔ ميزان الاعتدال، ج3، ص677